Registered L. No. 89.

نور افشاں

حقیقی نور وہ تھا جو دنیا میں آکے ہر ایک آدمی کو روشن کرتا ہی

نمبر (۵۰) ہر ہفتہ بروز جمعہ شائع ہوتا ہی۔ ۱۴ دسمبر سنہ ۱۹۰۶ء جلد (۳۴)

گلدستۂ اخبار

ایک جلسہ بابت یادگار مسٹر جسٹس بدرالدین طیب جی منعقد ہوگا۔ گیا میں یاتریوں کی سہولیت کے لئے نیا فنڈ بنا ہے انسداد طاعون کے لئے سرکار نے ۶۰۰۰ روپیہ منظور کرلیا ہے۔ مسز بیسنٹ صاحبہ سنٹرل ہندو کالج بنارس کے ساتھ ایک ٹیکنیکل سکول بھی جاری کرینگی۔ بنک بنگال نے بھی قرضہ کے متعلق اپنی شرح سود ایک فیصدی زیادہ کی اب ۷ فیصدی ہے۔ مہاراجہ اور پولو کھیلتے ہوئے ٹٹو سے گر پڑے ان کی ہنسلی کی ہڈی ٹوٹ گئی ہے۔ آگرہ میں امیر صاحب کا قیام پورے سات روز تک ہوگا۔ لارڈ کچنر ۱۰ دسمبر کو کلکتہ میں پہنچیں گے۔ مشرقی بنگال و آسام کی فوج پولیس کا خاص انتظام کرنا ضروری سمجھا گیا۔ وزیر ہند بھی مان گئے ہیں۔ کلکتہ میں مانک لال منڈل کا ۱۴۰۰۰ روپیہ ایک قلی نے اڑایا ہوڑہ میں معہ تمام رقم گرفتار کیا گیا کلکتہ میں ایک یورپین ولیس اور ایک مدراسی کو ۱۰ و ۱۸ ماہ کی قید سخت ہوئی۔ انہوں نے ایک مصنوعی بینک قائم کیا تھا۔ چالاکی ظاہر ہوگئی۔ عدالت میں کچھ جواب نہ دے سکے آگرہ میں وزیٹران کے کیمپ میں رہنے کا یومیہ کرایہ ۲۵ روپیہ ہوگا۔ خاص دن کا ۲۰۰ روپیہ۔ مدراس یونیورسٹی نے امتحان انٹرنس میں شمولیت کی عمر بجائے ۱۶ کے ۱۵ سال کردی ہے۔ لائیل پور میں زراعتی کالج کے ہمراہ بورڈنگ ہوس قائم کرنے کے لئے گورنمنٹ نے ۲۰ ہزار روپیہ منظور کیا

لائیل پور میں ریسرچ انسٹی ٹیوٹ قائم کرنا ضروری سمجھا گیا ۴ لاکھ ۲۶ ہزار روپیہ منظور ہوا ہے۔ خانصاحب ڈاکٹر حافظ فضل احمد جو وزیرآباد کے مشہور خاندان حکیمان کے ایک رکن رکین تھے۔ مرض ذیابیطس سے انتقال کیا پنجاب کے جن شہروں میں امیر صاحب کابل کا قیام ہوگا۔ وہاں کی آرائش روشنی چراغاں اور دیگر اغراض کے لئے گورنمنٹ پنجاب نے ۲ لاکھ روپیہ کا خرچ منظور کیا ہے۔ افسوس ہے کہ امرتسر میں گذشتہ چند ہفتوں کے اندر قریباً ۹ درجن ساہوکاران کے دیوالے بتعداد ۲۵ لاکھ روپیہ کے نکل چکے ہیں جس سے کاروبار میں بڑی ابتری واقعہ ہوگئی ہے بقول تازہ رپورٹ پنجاب کے بعض اضلاع میں ٹڈی دل فصلوں کو نقصان پہنچا رہا ہے۔ سر چارلس ریواز صاحب بھی آگرہ کے جلسوں میں مدعو کئے گئے حضور وائسرائے کے مہمان ہونگے۔ امرتسر کا پنجراپول بڑی عمدہ شہرت حاصل کررہا ہے۔ اور اس کی قدر روز افزوں ترقی پر ہے کئی ایک یورپین افسران بھی اپنے بیکار رہ جانور یہاں ارسال کرتے ہیں تاکہ آرام اور تنہائی میں اپنے بقیہ ایام زندگی بسر کریں حال میں صاحب کمشنر لاہور نے بھی اپنا ایک عمر رسیدہ گھوڑا یہاں بھیجا ہے جس کی پرورش کی فیس کے طور پر آپ نے دس روپیہ ماہوار دینا منظور کیا ہے۔ دہلی میں احمد بخش کو جو کوکین کا سب سے بڑا سوداگر تھا۔ قریباً ۸۰ روپیہ کی کوکین چوری اپنے قبضہ میں رکھنے کے جرم میں تین سو روپیہ جرمانہ کی سزا ہوئی۔ راولپنڈی میں بصدارت لالہ ہنسراج صاحب ساہنی وکیل ایک جلسہ اس غرض سے منعقد ہوا کہ کلکتہ کانگرس کے لئے ڈیلیگیٹ منتخب کئے جاویں

عینک کا سب سے پہلا استعمال شہنشاہ روم نیرو نے کیا تھا جو کوتاہ نظر ہونیکی وجہ سے ایک زمرد کو ہر دو جانب سے کھوکھلا کرکے استعمال کیا کرتا تھا۔ اور اسی کے ذریعہ سے ایمفی تھیٹر کے تماشے دیکھا کرتا تھا۔ دنیا میں سب سے قدیم لائٹ ہوس مقام تھاروس میں سفید سنگ مرمر سے تعمیر کیا تھا اسکی بلندی پچاس فیٹ تھی۔ اور قبل از مسیح ۳۰۰ برس مکمل ہوا تھا۔ اس کی چوٹی پر آگ برابر جلتی رہا کرتی تھی تاکہ اس کی ہدایت سے جہاز بندرگاہ تک بہ آسانی پہنچ جایا کریں۔ جرمنی میں ۵۵۰۰ اخبارات جاری ہیں جن میں سے ۸۰۰ روزانہ ہیں۔ انگلستان میں ۳۰۰۰ اخبارات ہیں اور ان میں سے ۸۰۹ روزانہ ہیں۔ فرانس میں ۲۰۰۰ اخبارات جنمیں سے ۷۰۰ یا تو روزانہ ہیں یا ہفتہ میں دو بار یا تین بار شائع ہوتے ہیں۔ اٹلی میں ۱۲۰۰ اور اس کے بعد آسٹریلیا۔ اسپانیہ روس۔ یونان۔ اور سوٹزرلینڈ کا درجہ ہے۔ تھوڑا عرصہ ہوا کہ تین بڑے بڑے روسی گھوڑے بمبئی میں اترے ہیں یہ تینوں گھوڑے مہاراجہ آف ریواں کے لئے منگوائے گئے ہیں۔ مہاراجہ گائیکواڑ نے ۱۴ دسمبر کو انڈسٹریل کانفرنس میں درس دینا قبول کرلیا ہے۔ گذشتہ دو سالوں میں جاپان سے چین میں ۵۰ فیصدی کا مال گیا مگر چین سے جاپان میں اسی عرصہ کے اندر چھ گنا زیادتی ہوئی ہے کیونکہ چین ہی جاپانی لوگ بکثرت رہتے ہیں۔ روس کے مسلمان سینٹ پیٹرزبرگ میں ایک اسلامی اخبار جاری کرنا چاہتے ہیں۔ زار روس نے بخارا کے امیر کو جو سینٹ پیٹرزبرگ کی سیر کررہا ہے اسکی ان خدمات کے صلہ میں ہز ہائینس کا خطاب دیا جو اس نے

ایڈیٹوریل نوٹس

اخبار پنجابی پر مقدمہ - ۹ر دسمبر کی پیشی

مسٹر چیٹرٹن کی جرح پر گوجرانوالہ کے ڈسٹرکٹ سوپروائزر سید قلندر حسین نے کہا کہ میں نے گوجرانوالہ کا نقشہ بنایا تھا جس کا پیمانہ ایک میل کے لئے ۱۲ انچہ کا تھا۔ جہاں لاش پڑی ہوئی تھی وہ جگہ ہیڈ کانسٹیبل نواب خان اور بھولا نے بتائی تھی۔ وہ جگہ سڑک سے ۱۱ فیٹ کے فاصلہ پر کھیت کے کنارہ پر واقعہ تھی آج کل اس جگہ سرکنڈے کے بہت چھوٹے چھوٹے پودے ہیں۔ سڑک سے اس جگہ تک کسی قسم کے نقش پا نہ تھے۔

مسٹر لاجپت رائے نے جرح کی۔ اس نے انکو اس نقشہ میں درج کیا تھا کیونکہ محکمہ بندوبست کے افسر نے انکو سنہ ۱۹۰۵ء کی جائیش میں درج کیا تھا۔ مسٹر ڈونل کی جھونپڑی اور اس جگہ کے درمیان جہاں لاش پڑی ہوئی پائی گئی تھی اور جو سڑک سے ۱۲ فیٹ نیچے اور ایک ڈھلوان جگہ پر تھی سرکنڈے کی جھاڑیاں نہ تھیں۔

مسٹر چارلس ڈونل نے جو کہ اس کے بعد دوسرا اور آخری گواہ تھا۔ اور جو میسرز سپیڈنگ اینڈ کو کے کارخانہ سے علاقہ رکھتا ہے کہا کہ میں سنہ ۱۸۹۹ء میں اس کارخانہ میں ملازم تھا اور اس سال کے ماہ دسمبر میں وزیرآباد میں تھا۔ میں ریلوے کے نزدیک سپیڈنگ اینڈ کو کی جھونپڑی میں رہا کرتا تھا۔ مجھے یاد ہے جبکہ ڈسٹرکٹ سوپرنٹنڈنٹ پولیس مسٹر سپنسر وہاں گئے تھے۔ وہ وہاں گھوڑے پر سوار پہنچے تھے اور میں خیال کرتا ہوں کہ ان کے کسی اردلی یا سپاہی کے ہاتھ واپس بھیجا گیا تھا۔ نہ کہ مسٹر ڈونل کے کسی آدمی کے ہاتھ

جہاں تک مجھے یاد ہے مسٹر سپنسر نے اُس آدمی کو خواہ وہ کوئی ہو حکم کیا تھا کہ میرے واسطے دوسرا گھوڑا بھیج دینا۔ قاصد اسیوقت وہاں سے روانہ ہوگیا تھا پھر میں (گواہ) اور مسٹر سپنسر وہاں سے روانہ ہوگئے۔ اور ایک بڑی نالی میں سے ہو کر گذر گئے (نقشہ میں اس کا نشان بتایا گیا) جسمیں اس وقت پانی ہوتا ہے جبکہ دریا میں پانی آیا کرتا ہے۔ یہہ نالی عموماً نمدار رہتی ہے مگر موسم سرما میں ایسا گہرا نہیں ہوتا کہ شکار نہ کھیلا جاسکے۔ میں خیال کرتا ہوں کہ ہمارے ساتھ کوئی نوکر وغیرہ نہ تھا۔ اور کہ ہمنے کوئی بندوق نہیں چلائی مگر مجھے یاد نہیں کہ ہمنے وہاں کچھ دیکھا یا نہیں۔ ہم شام کے وقت خاصی تاریکی میں واپس آئے مگر ٹھیک وقت معلوم نہیں ہے اس کہنے میں ذرا بھی سچائی نہیں ہے کہ مسٹر سپنسر یا خود میں نے سور مارا اور نہ اس بیان میں کوئی سچائی ہے کہ مسٹر سپنسر نے اس نوکر کو سور کی لاش اٹھانے سے انکار کرنے پر مار ڈالا تھا۔ مسٹر سپنسر نے اس رات گواہ کے ساتھ کھانا کھایا مگر مجھے یاد نہیں کہ وہ کس وقت وہاں سے روانہ ہوگیا۔ شاید کھانے سے ایک دو گھنٹے بعد۔ جہاں تک مجھے یاد ہے مسٹر سپنسر پیدل واپس چلے گئے تھے کیونکہ گھوڑا وہاں نہیں پہنچا تھا یقیناً نہیں بلکہ ایسا خیال ہے کہ مسٹر سپنسر وہاں شکار کھیلنے کا بندوبست کرکے نہیں آئے تھے۔ بندوقیں مسٹر ڈونل صاحب کی تھیں۔

مسٹر لاجپت رائے کی جرح پر گواہ نے کہا کہ میں مسٹر سپنسر کے ساتھ مدرسہ میں تھا اور میں اس کے دو بھائیوں کو جانتا ہوں۔ مسٹر ڈونل کا خاندان ہوشیارپور میں تھا۔

مگر مجھے یاد نہیں کہ مسٹر سپنسر کا خاندان وہاں تھا یا نہیں۔ گواہ کی خط وکتابت مسٹر سپنسر کے ساتھ نہ تھی۔ جبکہ میں اس مقدمہ میں شہادت دینے کے لئے آیا تھا تو میں نے پٹھان کوٹ میں ایک اخبار دیکھا تھا جس میں ایک رپورٹ تھی۔ اُس میں مسٹر سپنسر کا بیان نہیں پڑھا مگر کنوئے کے پاس کانسٹیبل کی لاش پائے جانیکی بابت پولیس کا بیان درج تھا۔ مجھے اس امر کا علم بھی نہ تھا کہ مسٹر سپنسر نے عدالت میں کیا کچھ کہا ہے۔ سول اینڈ ملٹری گزٹ بھی میرے پاس نہیں آیا کرتا تھا۔

جب مسٹر لاجپت رائے نے کہا کہ مسٹر سپنسر کا بیان ہے کہ شکار کا انتظام ہوا ہوا تھا۔ تو گواہ نے کہا کہ مجھے کسی انتظام کی خبر یاد نہیں ہے۔ مجھے یقین ہے کہ مسٹر سپنسر اس سے پہلے میرے ساتھ شکار کھیلنے کو نہیں گئے تھے۔ اور کہ معاینہ زیر بحث صرف وہی اکیلا موقع ہے جبکہ مسٹر سپنسر وزیرآباد میں میری جھونپڑی پر گئے تھے۔ میرا خیال ہے کہ مسٹر سپنسر اسیوقت سے وہاں پر نہ تھے۔ میں گذشتہ دس سال تک وزیرآباد میں ادھر اُدھر رہتا تھا۔ اسکے پاس سنہ ۱۸۹۹ء میں کوئی گھوڑا نہ تھا۔ وہ جھونپڑی میں اکیلا تھا۔ جو شخص مسٹر سپنسر کے گھوڑے کو لیگیا تھا وہ اپنے چال ڈھال سے پولیس مین معلوم ہوتا تھا۔ میرے خیال میں اس کے سر پر پگڑی تھی مگر یہہ یاد نہیں کہ کلاہ بھی تھا یا نہ اور کہ وہ وردی پہنے ہوئے تھا یا نہیں جبکہ مسٹر سپنسر نے اس کو گھوڑا دیا تو اس وقت میں بھی موجود تھا شاید میرے چند ایک نوکر بھی حاضر تھے۔ میں نے اکثر سور بھی مارے ہیں مگر میرے پاس شکاری وغیرہ شاذ ہی ہوا کرتا تھا اگر میں کسی سور کے تعاقب میں جایا کرتا تو میرے ساتھ اکثر شکار کو اٹھانے کے لئے میرے پاس کوئی نہ کوئی آدمی بھی رہا کرتا تھا۔ اگرچہ اس موقعہ متنازعہ پر میں سور یا کسی اور شے کے تعاقب میں نہ تھا تو بھی جنگل ایسا نزدیک تھا کہ میں کوئی آدمی ساتھ لیجا نہ سکا کیونکہ میں حسب ضرورت کسی کو بلا سکتا تھا میری جھونپڑی بیلا کے کنارے سے ایک میل سے کم فاصلہ پر تھی۔ ہم شکار کھیلنے کو بوقت سہ پہر گئے اور شام کو واپس

(بقیہ دیکھو صفحہ ۱۱ کالم ۲)

نجات بخش ایمان۔ یسوع مسیح پر ایمان لانا روحانی زندگی کا ایک خاص الخاص فعل ہے۔ اور ان تمام ضروری کاموں کا منبع ہے جو نئی پیدائش سے صادر ہوتے ہیں مگر یہہ فعل ذہن کا کوئی اکیلا فعل یا عادت نہیں ہے بلکہ مختلف اقسام کے افعال نیک کا مجموعہ ہے۔ جو بلا کسی قسم کی بے ترتیبی کے آپس میں مخلوط ہو جاتے اور باہمدگر ایک دوسرے فعل کو امداد اور ترقی دیتے ہیں۔ یسوع مسیح پر ایمان لانے سے کل انسانیت کی تبدیلی ہو جاتی ہے جو تمام روحانی زندگی کی بنیاد ہے۔ اور مسیح میں ہوکے کل روح کی وہ مقدس قوت فاعلیت ہے جس کا رجحان کلیتہً خدا کی جانب ہوتا ہے۔ لہذا اس کا پورا مطلب اس کے کسی ایک تصور یا قیاس سے سمجھ میں نہیں آسکتا۔ علما ایمان کی کئی ایک قسمیں بیان کرتے ہیں یعنی تواریخی ایمان جو مسیح کی بابت محض تواریخی حقیقتوں سے ذہن میں آتا ہے۔ معجزانہ ایمان جو محض معجزہ کے دیکھنے سے شخص سمجھ جاتا ہے۔ چندروزہ ایمان جو کسی بیرونی حالات یا واقعات سے کسی شخص یا امر کے بارے میں دل کے اندر آتا ہے مگر کسی وجہ کسی غیر موافق وجہ سے چند عرصہ بعد کافور ہو جاتا ہے۔ اور نجات بخش ایمان اور یہی وہ ایمان ہے جو لازمی اور مفید اور دیرپا اور پر شغف ہے۔ اور یہہ ایمان کسی حقیقت منکشفہ اور معلومہ کو محض مان لینے سے کہیں بڑھکر ہے اور یہہ ایمان کسی امر موہومہ کو جو بادی النظر میں خوشگوار اور مرغوب معلوم ہوتا ہے مگر بعد میں اسکی اصلیت بالکل معدوم ہو جاتی ہے اسکو تسلیم کر لینے سے بلند و بالا ہے۔ یہہ نجات بخش ایمان کسی عجیب وعدہ یا قول یا کسی معجزانہ یا فوق العادت واقعہ کو مان لینے اور اس پر بھروسہ کرنے سے کہیں زیادہ ہے۔ اس نجات بخش ایمان سے یہہ مراد ہے کہ مسیح کے کفارہ اور اُس کے پر فضل فواید کی تحصیل کیلئے اُس پر بڑی سادگی اور اطمینان کے ساتھ بالتر بھروسہ رکھا جائے۔ اس کا درست ترجمہ یقین ہو سکتا ہے۔ اور حق الیقین کے درجہ تک پہنچتا ہے۔ پولس رسول اُس کے پورے معنی یوں کرتا ہے "جسپر میں ایمان لایا ہوں اُسے جانتا ہوں۔ اور مجھے یقین ہے کہ وہ میری امانت کو اُس دن تک حفاظت کر سکتا ہے" (۲ تمتھیس ۱: ۱۲)

اس قسم کا یقین ہمیں اس قابل بناتا ہے کہ ہم مسیح کو اپنی پناہگاہ سمجھتے ہیں اور نجات کی خاطر اس کے پاس دوڑتے ہیں۔ صرف یہی نہیں بلکہ دراصل ہم اسکو مان لیتے اور قبول کر لیتے ہیں اور اس کے سپرد ہو جاتے ہیں اور اپنے آپ کو اُس کے ساتھ متحد کر دیتے ہیں جو ہمارے گناہوں کے واسطے مصلوب ہوا "یعنی راستباز نے ناراستوں کے لئے۔ تاکہ ہمکو خدا کے پاس پہنچائے کیلئے واسطے گناہوں کے باعث ایک بار دکھ اٹھایا" (۱ پطرس ۳: ۱۸)۔ اس وقت ہم یہہ کہہ سکتے ہیں کہ "میں مسیح کے ساتھ مصلوب ہوا ہوں لیکن زندہ ہوں" (گلتیوں ۲: ۲۰)۔ "تاہم میں نہیں بلکہ اب مسیح مجھ میں زندہ ہے۔ اور میں جواب جسم میں زندہ ہوں۔ تو خدا کے بیٹے پر ایمان لانے سے زندہ ہوں جس نے مجھ سے محبت رکھی اور اپنے آپکو میرے تئے موت کے حوالہ کر دیا"۔ یہہ یقین کامل تسکین کا منبع ہے اور اس کا استحکام دینے والا ہے۔ "جس کا دل قائم ہے تو خوب سلامتی سے اسکی نگہبانی کریگا۔ کیونکہ اُس کا توکل تجھ پر ہے" (یسعیاہ ۲۶: ۳)۔

قلبی آرام کا حصول۔ دلی آرام کی خواہش ہر فردبشر کو ہے۔ اور واقعی دلی آرام دیگر تمام آراموں سے بلند و بالا اور حقیقی۔ نہایت ضروری اور مفید۔ و نیز دنیا کی زندگی کا جزو لاینجزء ہے۔ کل بنی آدم کا خواہ وہ کسی قوم یا ملت کے ہوں اسپر اتفاق رائے ہے۔ ......

......

.... مگر افسوس ہے کہ اُسکی حقیقت اور ذریعہ حصول کے بارے میں لوگوں کا اتفاق رائے نہیں۔ بڑے بڑے عالمان مذہب و ملت نے اور غواص علم و فلسفہ نے اسکی حقیقت اور ذریعہ حصول کی بابت تحقیق و تدقیق کی مگر اصلی نہواسے اور حقیقت کو ظاہر نہوئے۔ مسیح خداوند نے اس قلبی آرام کو حاصل کرنے کا ایک ہی اور کافی ذریعہ یہہ بتایا ہے کہ۔

"خداوند اپنے خدا سے اپنے سارے دل اور اپنی ساری جان اور اپنی ساری عقل سے محبت رکھ۔ بڑا اور پہلا حکم یہی ہے۔ اور دوسرا اس کی مانند یہہ ہے کہ اپنے پڑوسی سے اپنی مانند محبت رکھ" (متی ۲۲: ۳۷ سے ۳۹)۔ اس موقعہ پر ایک یہودی حدیث یاد آتی ہے جسمیں بڑے بڑے بزرگوں کی رائے اس قلبی آرام کے بارے میں ایک طرف ہے اور ایک بارہ سالہ لڑکے کی رائے دوسری جانب جو مسیح کی اس تعلیم کے عین مطابق ہے۔ اور وہ یہہ ہے۔ کہ ایک روزہ کے دن ربی جدہ اور اس کے بھائی ایک دالان میں بیٹھے ہوئے آرام کے مضمون پر بحث کر رہے تھے کہ اُن میں سے ایک بول اٹھا۔ کافی دولت حاصل کر لینا ہی آرام ہے۔ مگر شرط یہہ ہے کہ دولت بلاکسی قسم کے گناہ کے ذریعہ سے حاصل ہوئی ہو۔ دوسرے نے کہا نہیں۔ شہرت اور تعریف ہی باعث آرام ہے۔ تیسرا یوں گویا ہوا۔ سلطنت کی حکومت کا اختیار ہی حاصل کر لینا آرام ہے۔ چوتھے نے یوں رائے زنی کی کہ آرام سے وہی شخص ہے جس کے پاس دولت۔ طاقت۔ اور شہرت ہو۔ اور اس کے پیارے بچوں کے بچے اُس کے گرد کھیلتے پھرتے ہوں۔ پانچویں نے اسکی تعریف یوں

کی کہ اگر کوئی شخص موسوی رسومات پر عمل نہ کرے تو یہہ سب کچھ بیفائدہ ہے۔ سب کے بعد ربی جودہ نے جو اُن میں قدر اور عمر اور عزت میں بڑا تھا اپنا خیال یوں ظاہر کیا کہ۔ تم لوگوں نے جواب تو بڑی دانائی سے دیا۔ مگر پورا آرام حاصل کرنے کے لئے ایک اور بات کی ضرورت ہے۔ یعنی کہ صرف وہی شخص آرام حاصل کرسکتا ہے جو ان تمام باتوں کے ساتھ بزرگوں کی روایتوں پر بھی عمل کرتا ہو"۔ اتفاق سے اُسی جگہ ایک بارہ سالہ خوب صورت لڑکا اپنی جھولی میں سوسن کے پھول ڈالے ہوئے اُن سے کھیل رہا تھا۔ جب اُس نے ان کی ان باتوں کو سنا تو بڑے تعجب کے ساتھ ان پھولوں کو اپنے ہاتھ سے گرا کر اور انپر نظر کرکے یوں بول اُٹھا "اے بزرگو! نہیں نہیں آرام صرف وہی شخص حاصل کرسکتا ہے جو اپنے بھائی کو ایسا پیار کرے۔ جیسے اپنے آپ کو کرتا ہے۔ اور خدا کو اپنے سارے دل اور جان سے پیار کرے۔ پس وہی شہرت۔ دولت اور اختیار سے بڑھکر ہے اور اس گھر سے بڑھکر خوش ہے جسمیں یہہ خوبی نہیں۔ وہ سرزمین عمر سے بہتر ہے۔ وہ اپنی شرع آپ ہے"۔ اس واقعہ پر بھی مسیح کا قول کیسا موزون اور صادق پڑتا ہے کہ "اے باپ آسمان اور زمین کے مالک۔ میں تیری حمد کرتا ہوں کہ تو نے یہہ باتیں داناؤں اور عقلمندوں سے چھپائیں اور بچوں پر کھول دیں۔ ہاں اے باپ۔ کیونکہ ایسا ہی تجھے پسند آیا" (متی ۱۱: ۲۵ و ۲۶)۔

اسلام کا اخلاقی پہلو۔ ۱۵ر نومبر کا ساز گرہ علیگڈھ کے ایک محمدی اخبار "رسالۃ الاسلام" سے یوں ناقل ہے کہ "سال گذشتہ کے جیلخانجات ہندوستان کی رپورٹ سے پایا جاتا ہے کہ تمام قیدیوں میں قریب تین فی ہزار کے عیسائی اور ۲۵۶ ہندو اور ۴۱۶ مسلمان ہیں گویا مسلمان جنکی تعداد قریب ۱/۵ کے ہے۔ گویا ہندو ایک جرم کرتا ہے تو مسلمان ۲ جرم کرتے ہیں۔ ویسے ہی ہم دیکھتے ہیں کہ ہر قسم کی برائیاں مسلمانوں میں زیادہ پائی جاتی ہیں۔ چوری۔ چکاری زناہ کاری۔ شراب خواری جھگڑا فساد سب مسلمانوں میں زیادہ ہیں۔ رنڈیاں بکثرت مسلمان ہیں۔ بھڑوے میراثی عموماً مسلمان ہیں باجہ بجانے والے۔ ہولی میں ناچنے والے لونڈے عموماً مسلمان ہوتے ہیں"۔ ہم۔ اسپر زیادہ حاشیہ چڑھانا نہیں چاہتے کیونکہ مذکورہ بالا بیان نہ صرف محض ایک بیان ہے بلکہ بدیہی واقعہ ہے جس کے ثبوت کی حاجت نہیں طرفہ اس پر یہہ ہے کہ محمدی پرچہ خود اسکی شہادت دے رہا ہے جو کسی غیر کی شہادت سے کہیں بڑھکر معتبر سمجھی جاتی ہے۔ ہمیں محمدیوں کی اس گری ہوئی اخلاقی اور روحانی حالت کو دیکھ کر بڑا ہی افسوس آتا ہے۔ یہہ محمدی تعلیم ہی کا قصور ہے جسمیں اس قسم کے اصول موجود ہیں۔ ہم محمدیوں کو صلاح دیتے ہیں کہ جس طرح سید احمد خانصاحب مرحوم نے اسلام کی اصلاح کی تھی ویسے ہی تمام مولوی صاحبان ملکر اسکی اصلاح کریں۔ اور قوم میں سے ایسے بدکرداروں کو بالکل اور علانیہ خارج کردیں۔ اُن کے ساتھ حقہ پانی پینا۔ بیاہ شادی کرنا بالکل ترک کردیں۔ اور کافر کا لقب اُن کو دیں۔ کیا محمدی عقیدہ کے مطابق اس قسم کے لوگ بہشت کے وارث ہوسکتے ہیں؟ کیا وہ باوجود اس قسم کے جرائم پیشہ ہونے کے بھی مومن ہیں؟ کیا وہ محمدی یا مسلمان کہلانے کے لائق ہیں؟ امید ہے کوئی محمدی بھائی ان سوالوں کا جواب دیگا۔

مصر میں ایک نیشنل یونیورسٹی کی تجویز کون

اس حقیقت سے ناواقف ہے کہ آج دنیا بڑے غور و فکر سے دیکھ رہی ہے کہ ہماری ترقی اور بہبودی انگریزی تمدنی اور تعلیمی تقلید ہی میں ہے۔ قبل ازیں ہم ایک سے زیادہ مثالیں اس امر کے بارے میں پیش کرچکے ہیں اب خبر ہے کہ مصر میں بھی یورپین صورت اور پیمانہ کی ایک نیشنل یونیورسٹی قائم کیجاوے جو منسٹری آف پبلک انسٹرکشن اور الا ظہار کی وسطی زمانہ کی بنیاد سے بالکل علیحدہ ہو کم از کم ۵ لاکھ مصری پونڈ اس یونیورسٹی کے قیام اور اجرا کے لئے ضروری ہیں۔ اس یونیورسٹی کے کورس علم ادب اور سائنس کے متعلق ہونگے۔ اور بلا لحاظ قومیت یا مذہب سب کے لئے یہہ یونیورسٹی کھلی ہوگی۔ اس کام میں خاص رکاوٹ مصری حروف کیجانب سے ہے کاپٹ اور مسلم یہہ چاہتے ہیں کہ ہمارے بیٹوں کو ایسی تعلیم ملے جس سے وہ مذہب کے اصولوں سے واقف ہوجاویں اور تھوڑے ہی عرصہ میں اپنی زندگی بسر کرنے کے قابل ہوجاویں۔

ایک مسیحی طلاق کا مقدمہ بمبئی کی ہائی کورٹ میں

بمبئی گارڈین میں بمبئی کے ہائی کورٹ کا ایک بڑا دلچسپ مقدمہ درج ہے۔ اس کو دیکھکر اُن مشکلات کو مدنظر رکھ کے جو اکثر دیہاتی مسیحیوں کے درمیان دیہاتی شادیوں اور مشنری صاحبان کے پیش آتی ہیں۔ اس مقدمہ کے مختصر حالات معہ فیصلہ ہائی کورٹ حسب ذیل ہے۔ سنہ ۱۹ء کے قریب ایک مستغیثہ مسماۃ گنگیا نے پریم سنگھ رسپانڈنٹ پر دعوے کیا۔ ان دونوں کی شادی ان کے اپنے دستور کے موافق ہوئی تھی۔ اس وقت وہ ذات کے ہنر (ہندو) تھے۔ مستغیثہ اس وقت سات سال کی تھی اور رسپانڈنٹ ۱۲ سال کا تھا جبکہ انکی شادی ہوئی تھی۔ بعد میں یہہ دونوں مسیحی ہوگئے اور مستغیثہ برائے تعلیم جلبپور کے میتھوڈسٹ آرفنیج میں بھیجی گئی۔ مسماۃ مذکورہ نے اس بنا پر فسخ نکاح کی درخواست کی کہ رسپانڈنٹ نے اپنی



شادی کے بعد مسیحیت سے انکار کر دیا۔ اور اپنے پہلے ہی مذہب کو قبول کر لیا۔ اور اپنے بھائی کی بیوہ کے ساتھ بطور خاوند کے رہتا ہے اور اس کے شکم سے ایک لڑکا بھی پیدا ہوا۔

"ریسپانڈنٹ علی طور پر مقدمہ کے واقعات کو تسلیم کرتا ہے۔ وہ تسلیم کرتا ہے کہ میں مستغیثہ کے ساتھ مہتر (چوہڑے) ذات کے حقوق اور رسمیات کے مطابق بیاہ بھی ہوا تھا۔ اور کہ میں میری بیوی اور ساس بعد کو مسیحی بھی ہو گئے تھے۔ لیکن چونکہ مسیحی ہونے کے بعد برادری سے خارج ہو جانے کی وجہ سے بہت سی مشکلات حائل ہو گئیں اس لئے میں اپنے پہلے ہی مذہب کیطرف رجوع ہو گیا اور اپنے بھائی کے ساتھ رہنے لگ پڑا میرا بھائی کچھ عرصہ بعد فوت ہو گیا۔ اور میں نے اپنی برادری کے لوگوں کی اجازت سے اپنے مرحوم بھائی کی بیوہ کو گھر میں رکھ لیا۔ اور اس سے ایک لڑکا بھی پیدا ہوا۔ مگر وہ اقرار کرتا ہے کہ گنیا کے ساتھ میرا خاوندانہ تعلق بھی قایم ہے۔ اور اس بنا پر وہ اسکی چھوٹ کی مخالفت بھی کرتا ہے کہ میں اپنے بھائی کی بیوہ کو چھوڑ دینے پر راضی ہوں۔"

ہمارے خیال میں یہہ مقدمہ خصوصیت کے ساتھ نرالا ہے۔ مستغیثہ ایک ہندو عورت ہے۔ اور ذات کی مہتر ہے اور ہندوریت کے ساتھ مہتر ذات کی رسومات کے مطابق ایک شخص مسمی پریم سنگھ کے ساتھ بیاہی گئی تھی۔ ظاہر ہے کہ وہ اپنی ذات کے دستور کے مطابق میاں بیوی بن گئے۔ اس کے کچھ عرصہ بعد ان دونوں نے مسیحی مذہب اختیار کر لیا۔ بعد ازاں خاوند اپنے مرحوم بھائی کی بیوہ پر فریفتہ ہو گیا اور اس کے ساتھ ایسے طور پر رہنے لگا گویا کہ اس کے ساتھ اس کی شادی ہو گئی ہے۔ مگر اس سے پہلے وہ مسیحی مذہب کو ترک کر چکا تھا۔ ان صورتوں میں ہم سے یہہ التجا کی گئی کہ اس فیصلہ کو قطعی قرار نہ دیا جائے جو کہ عدالت ماتحت نے نکاح کے فسخ ہونیکی بابت کر دیا ہے۔ ہماری رائے ہے کہ ہندو نکاح کا فسخ کرنا خلاف قانون ہوگا۔ اُن تمام با اختیار نتیجوں کا کچھ لحاظ کرنے کی ضرورت نہیں ہے جو اس مسئلہ کو اٹھاتے ہیں۔ مگر صرف یہی ضروری امر ہے کہ فل بنچ کیس کی طرف اشارہ کیا جائے (رتھا چیتا بنام خلاف تھا چیتا مکتی آئی۔ ایل۔ آر۔ ۲۷ مدراس ۲۵۵) جہاں کے واقعات بکثرت ایسے ہی ہیں جیسے موجودہ مقدمہ کے ہیں اور جہاں تسلیم کر لیا گیا تھا کہ بحفاظ وغیرہ جن نکاحوں کا ذکر ایکٹ طلاق میں ہوا ہے وہی ہیں جو ایک ہی مرد اور عورت کے اتحاد کے مسیحی اصول پر مبنی ہے۔ اور جہاں دوسرے مرد یا عورت اس اتحاد سے خارج ہیں۔ لوکہ نتیجتہً اس ایکٹ میں ایسے مقدمات سے یکسر دشمنی کا شائبہ پایا نہیں جاتا جنمیں فریقین کا بیاہ ہندو قانون کے مطابق ہوا ہو۔ کیونکہ ہندو شادی کثرت ازدواجی کی مانع نہیں ہے۔ ان صورتوں میں ہم اس بات پر مائل ہیں کہ یہہ فیصلہ درست نہیں لہذا یہہ درخواست خارج ہوتی ہے۔

کشمیر میں نیلم کی کان

نیلم ایک بیش قیمتی پتھر ہے جو ہیرے سے دوسرے درجہ پر سخت ہے۔ اس کا رنگ عموماً نیلا یا آسمانی ہوتا ہے۔ اور یہہ ایک عجیب بات ہے کہ یاقوت اور نیلم دونوں بالذاتہ ایک ہی اجزا سے مرکب ہیں مگر صرف رنگ ہی کا ان کے درمیان فرق ہے۔ اور دونوں ہی چمکدار ہوتے ہیں۔ نیلم کی کانیں دنیا بھر میں صرف سیلون۔ برما۔ کوئنس لینڈ۔ اور مونٹانا میں ہیں۔ ان مقامات میں نیلم نمدار طبقوں کے اندر ملتا ہے۔ مگر کشمیر کی کانوں میں ٹھوس چٹانوں میں سے نکالا جاتا ہے۔ یہہ کانیں سطح سمندر سے ۱۴ ہزار فیٹ کی بلندی پر ہیں۔ اور بولیما کی کانوں سے دوم درجہ پر ہے جہاں سطح سمندر سے ۱۵ ہزار فیٹ کی بلندی پر نیلم نکلتا ہے۔ یہاں پر کام ایسی ہی ہوا کے اندر ہوتا ہے جہاں صرف وہی انڈین کام کر سکتے ہیں جو اس بلندی پر اور وہاں ہی کی ہوا میں پیدا ہوئے۔ اور وہاں ہی انہوں نے پرورش پائی ہو۔ یہہ کانیں عنقریب ایسی جگہوں میں ہیں جہاں بارش نہیں ہوتی۔ مگر کشمیر کی کانیں مقابلتہً ۳۲ درجہ طلائی کی بلندی پر ہیں۔ اور یہہ مقام دنیا بھر میں سب سے زیادہ سرد ہے۔

سب سے پہلے سنہ ۱۸۸۱ء میں یا سنہ ۱۸۸۲ء کے آغاز میں دریافت ہوا کہ شمال مغربی ہمالیہ کے پہاڑوں میں نیلم بکثرت موجود ہے۔ اس وقت لاہول کے سوداگر شملہ میں نیلم لایا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ ہم زنسکر کے پہاڑوں کے درمیان ایک خاص جگہ سے نیلم لاتے ہیں کہتے ہیں کہ ایک شکاری نے ایک چھوٹا سا نیلم اٹھا لیا تھا یا تو اس لئے کہ اس کو اپنی بندوق میں رکھے یا اس سے اپنی پائپ کے لئے آگ نکالے۔ اس شخص نے آخر کار یہہ ٹکڑا ایک لاہولی سوداگر کے ہاتھ فروخت کر دیا جو اسکو شملہ میں لے آیا۔ اس واقعہ کے تھوڑے عرصہ بعد تک شملہ کے بازاروں میں نیلم ایک روپیہ سیر فروخت ہوتا رہا۔ مگر بعد ازاں فوراً ہی راجہ کشمیر نے اس مقام پر پہرے بٹھا دیئے۔ یہہ کانیں ایک مقام بنام سونجام میں ہیں جو سرینگر سے قریب ۱۳ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ سنہ ۱۸۸۴ء میں جب دربار کشمیر نے دیکھا کہ نفع بہت کم ہوتا ہے تو انہوں نے گورنمنٹ آف انڈیا سے درخواست کی کہ کسی جیالوجسٹ کو یہاں بھیجو۔ مسٹر ٹامس ڈے لاٹوش جو کہ اسوقت جیالاجیکل سروے میں ڈپٹی سوپرنٹنڈنٹ تھے کشمیر بھیجے گئے۔ اور قریب ایک برس تک نیلم کی کانوں میں سوپر وائزر رہے۔ مگر ان کے ذریعہ سے بھی بہت کم نفع ہوا اس لئے سنہ ۱۸۸۷ء میں وہ کانیں قطعاً بند کر دی گئیں تھیں۔ اور حفاظت کے لئے وہاں پہرہ بٹھا دیا گیا تھا۔ پہلے برس تک یہہ کانیں زیر حراست سرکار ہیں مگر ان میں کام کسی قسم کا نہیں ہوا کرتا تھا۔ لیکن گذشتہ موسم گرما میں

کشمیر منرل کمپنی کی خاطر ہوا اس میں کام شروع ہوگیا اس کمپنی کے منیجنگ ڈائرکٹر میجر جنرل اے ڈی اینڈرسن صاحب ہیں۔ اور جولائی کے وسط میں مسٹر سی ایم پی وائٹ نے جو اس کمپنی کے شہیر انجنیر ہیں کام شروع کر دیا۔ اور کام بدستور وسط اکتوبر تک جاری رہا۔ مگر کثرت برف اور نہایت سردی کی وجہ سے اب کام بند ہے۔ مسٹر وائٹ نے دریافت کر لیا ہے کہ پرانی کانیں تو اب بالکل صاف ہوگئی ہیں مگر اس کان کے نزدیک دو اور شاخیں دریافت ہوئی ہیں جہاں سے نیلم نکلتا ہے اس کان میں یکصد مزدور ۲ روپیہ پر کام کیا کرتے تھے امسال ۸۰ پونڈ ذنی نیلم نکلا۔ انکی قیمت کا ہنوز اندازہ نہیں لگایا گیا۔ مگر انکا ۳۰ فیصدی راجہ صاحب کشمیر کو دیا جائیگا۔ یہہ نیلم ہزاروں کی تعداد میں ہیں جو بمبئی اور کلکتہ میں تقسیم کئے جائینگے کیونکہ ہندوستان کے اندر انہیں دو مقاموں میں حقیقت میں جوہریوں کی منڈیاں ہیں۔ نیلم کے چھوٹے چھوٹے ذرے گھڑی کے کام آئینگے۔ ان کا رنگ بہت ہی مختلف ہے۔ بعض تو دودھ کی طرح بالکل سفید ہیں اور بعض نیلے ہیں؛

عورت کا مرتبہ۔ مشہور و معروف انگریزی مدبر مسٹر گلیڈسٹون صاحب مرحوم فرماتے ہیں کہ ”بائبل کی تعلیم کے مطابق مرد بیشک عورت کا اور خاندان کا سر ہے۔ مگر عورت گلا ہے۔ سر بغیر گلے کے قائم نہیں رہ سکتا۔ جسم پر حکومت نہیں کر سکتا۔ اور ادھر ادھر حرکت بھی نہیں کر سکتا۔ اگر گلے میں کسی نوع کی تکلیف یا بیماری ہو تو سر بیکار ہو جاتا ہے۔ اور جسم کی پرورش محال ہو جاتی ہے۔ جسم کی صحت میں بھی بڑا بھاری خلل آجاتا ہے۔ عورت کا سوسائٹی اور خاندان سے ایسا ہی تعلق ہے اگر خدا آدم کی سوسائٹی کے لئے بجائے عورت کے ایک دوسرا مرد بناو دیتا تو کیا خاندان اور ملک کی ہستی اور قیام ممکن تھا؟ عورت کے اثر اور زور سے مرد کبھی بھی محفوظ نہیں رہ سکتے۔ کسی انگریزی شاعر نے کیا خوب کہا ہے کہ ”جو ہاتھ پنگوڑے کو ہلاتا ہے وہی دنیا پر حکمران ہے۔“ ہر ملک اور خاندان کے مذہب اور تہذیب اسی قدر مضبوط ہونگے اور ترقی پائینگے جس قدر کہ انکی مستورات پابند مذہب اور مہذب ہونگی۔ ملک کے مذہب اور تہذیب کا معیار وہاں کی مستورات کا مذہب اور تہذیب ہے۔ پس مستورات کی تعلیم اور تربیت ملک کی ترقی کا ایک لازمی اور عظیم جزو ہے۔ مرد کو مناسب ہے کہ عورت سے محبت رکھے اور اُس کی تنظیم کرے اور اس کو امور خانہ داری میں اور دیگر صلاح و مشورت میں شریک کرے۔ جو شخص اُس کے برعکس کرتے ہیں وہ کبھی خوش نہیں ہوتے اور نہ ہی ترقی کرتے ہیں؛

مسیح کا کفارہ۔ کفارہ کی تعلیم مسیحی مذہب کی ایک بنیادی تعلیم ہے۔ مگر اکثروں کی نظر میں یہہ ایک نہایت ہی تاریک اور مبہم مسئلہ ہے۔ اس مسئلہ کی نہ تو پوری پوری تعریف ہو سکتی ہے اور نہ ہی پورا حل ہو سکتا ہے۔ اور نہ ہی اس مسئلہ کے عمق کو انسان کما حقہ پہنچ سکتا ہے۔ لیکن جب بائبل کی دیگر سچائیوں کے ساتھ اس کا درست طور پر مقابلہ کیا جاتا ہے۔ اور اسکو بائبل کی الہامی روشنی میں دیکھا جاتا ہے تو ہم اطمینان سے کہہ سکتے ہیں کہ یہہ اعلیٰ درجہ کا تسلی بخش اور معقول مسئلہ اور گنہگار کی نجات کا لاثانی اور کامل الٰہی طریق ہے۔ کفارہ ہمکو انسان کی برگشتگی کیطرف عود کراتا ہے اور یہہ برگشتگی ہمکو مسیح کے کفارہ کے کام کیطرف لیجاتی ہے۔ اس طرح پیدائش کی کتاب اور انجیل ایک کل کی دو اجزا ہیں۔

باوجود اس کی اہمیت کے بعض مشابہات اور اصول اس تعلیم کو ہمارے سامنے زیادہ صاف اور روشن کر دیتے ہیں تا آدم خدا کے سامنے بحیثیت ایک فرد کے نہ تھا بلکہ وہ کل بنی آدم کا سر اور ریپرزنٹیٹو تھا۔ اس حیثیت میں اُس نے گناہ کیا۔ اور اس کے ذریعہ سے یوں گناہ دنیا میں آیا۔ قوانین وراثت اس مسئلہ کی کسی قدر تشریح کر دیتا ہے۔ مگر یہہ قوانین ہی صرف اس کا حل کرنے کے لئے کافی نہیں ہیں۔ ان کے علاوہ خدا اور انسان کے درمیان معاہدین کا سا تعلق بھی ہے۔ ہم بخوبی جانتے ہیں کہ قوموں اور بادشاہوں کے درمیان معاہدہ کا کیا اثر ہوتا ہے۔ اور کہ معاہدہ کا سلسلہ نہ صرف موجودہ نسلوں ہی تک محدود رہتا ہے بلکہ ما بعد کی پیدا ہونیوالی نسل تک وسیع ہوتا ہے۔ پس آدم بھی اپنی نسل کے لئے ایک ریپرزنٹیٹو تھا اور انکی لعنت کا سبب ہوگیا؛

مذکورہ بالا امور سے دو باتیں نکلتی ہیں۔ اول یہہ کہ اس سے نسلی گناہ کی تعلیم کی تشریح ہوتی ہے۔ دوم گنہگاروں کے لئے آدم ثانی یعنی مسیح کے ریپرزنٹیٹو ہونے کے جواز کا امکان نکلتا ہے۔ اسی بنا پر اب آؤ ہم تھوڑے عرصہ کے لئے مسیح اور آدم کا مقابلہ اور مشابہ کریں۔ آدم بیگناہی کی حالت میں بیگناہ دنیا میں آیا۔ مگر مسیح بیگناہی کی حالت میں گناہ آلودہ اور ملعون دنیا میں تشریف لایا۔ آدم باغ عدن میں اپنی نافرمانی کی وجہ سے برگشتہ ہوا اور اسمیں ہو کے اسکی نسل بھی برگشتہ ہوئی اور لعنت کے تحت میں آگئی۔ مسیح بیابان میں آزمایا گیا اور اسکی فرمانبرداری نے فرمانبرداری کا ایک نیا سلسلہ اور اصول قائم کر دیا۔ مسیح کا آزمایا جانا آدم کے آزمائے جانے پر فوقیت رکھتا ہے کیونکہ اُس سے گناہوں کا وہ بار جو صدیوں سے بنی آدم کے سر پر چڑھا ہوتا رہا ایمان کی شرط پر دور کر دیا گیا۔

جب آزمانیوالا مسیح کی آزمائش کرکے اسکو گرا دینے میں ناکامیاب ہوا۔ تو مسیح ویسا ہی بیگناہ رہا جیسا کہ پیشتر

تھا۔ مگر گناہوں کا بوجھ اُس کے سر پر پورا پورا رکھا گیا تھا۔ اِس موقعہ پر لوگ سخت دل ہو گئے تھے اُس کے دعاوے اور کاموں کی مخالفت کیگئی۔ اس کے شاگرد بعض وقت اُس کے مطلب کو نہ سمجھے۔ انہوں نے اس سے بے وفائی کی۔ اس کے منصفوں نے بے انصافی سے اُس کو صلیب پر کیلوں سے ٹانگ دیا۔ گنہگاروں کے گناہوں کا بار اس کے مصلوب ہونے سے پہلے ہی اس پر اس قدر پڑا ہوا تھا کہ اس نے اپنے اندر اس دکھ کو محسوس کرکے کہا کہ "میری موت کی سی حالت ہے۔" یہہ سب واقعات مخلوقات کے گناہوں کے جو اس پر عاید ہو گے تھے مختلف ظہورات تھے۔ اور ان امور سے اُسکی طبعی وفات کا نکلنا ہوا نہ کہ اخلاقی وفات کا۔ اور یہہ کفارہ کے کام کی تکمیل ہے۔ "وہ ہمارے گناہوں کے سبب گھائل کیا گیا اور ہماری بدکاریوں کے باعث کچلا گیا۔ اور ہماری سلامتی کے لئے اُسپر سیاست ہوئی تاکہ اُس کے مار کھانے سے ہم چنگے ہوں"۔ وہ اب نجات یافتہ لوگوں کیطرف سے مثل فاتح پہلوان یا سپہسالار کے خدا کے حضور کھڑا ہے۔ ایمان کے وسیلہ سے اصلی گناہ اور موت کی رسیاں اور بندھن ٹوٹ گئے۔ اور ہم اُس میں ہوکر زندہ ہیں "اور اگر ہم نور میں چلیں جس طرح کہ وہ نور میں ہے تو ہماری آپس میں شراکت ہے۔ اور اُس کے بیٹے یسوع کا خون ہمیں تمام گناہوں سے پاک کرتا ہے۔" یہہ کوئی سخت تعلیم نہیں ہے بلکہ فضل کی تعلیم ہے۔ "یہہ ایمان کی بات ہے۔ اور ہر طرح سے ماننے کے لائق ہے۔ کہ یسوع مسیح گنہگاروں کو نجات دینے کے لئے دنیا میں آیا"۔

میوہ جات میں تجدد کی ایک موجودہ مثال یہہ ہے کہ ناشپاتی کی ایک شاخ کو سیب کے درخت کے تنے پر پیوند کیا گیا جس کے اتحاد سے ایک نیا پھل پیدا ہوا۔ چھلکا اس کا سیب کا سا ہے اور صورت شکل ناشپاتی کی سی ہے۔ اور اسمیں سے سیب اور ناشپاتی ہر دو کی ملی جلی خوشبو آتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہہ پھل عوام میں بہت جلد ہر دلعزیز ہو جائیگا۔

لندن مشن لیکچر ہال میں پادری ٹی سب ایمن یام کا ایک لیکچر ہوا۔ جسمیں حاضرین کی تعداد بکثرت تھی وائی ایم۔ سی اے کے مسٹر کالٹن صاحب کرسی نشین تھے۔ اور پادری صاحب کا لیکچر "میرا اپنی تجربہ" تھا۔ لیکچرار صاحب نے فرمایا کہ ہندو مذہب سے میری تشفی نہیں ہوئی۔ میرے ذہن پر سب سے پہلے نقوش ایک مشن سکول میں پیدا ہوئے۔ بعدہٗ میں ایک گرو کے ساتھ ودھیا کی پہاڑوں میں گیا۔ اس گرو نے مجھے تعلیم دی کہ تیرا اعلیٰ مقصد یہہ ہے کہ تو پرمیشور میں سے ہو جائے۔ پھر میں نے کسی مشنری کا لیکچر سنا جس کے صدر نشین ڈاکٹر ملر صاحب تھے۔ اس مشنری نے اُس محبت کا ذکر کیا جو خدا انسان کے ساتھ رکھتا ہی تب میں نے اپنی حاجت کو معلوم کر لیا۔ پھر میں نے معلوم کیا کہ خدا ایک شخص ہستی ہے اور کہ وہ خدا جو شخصی ہستی نہیں رکھتا۔ اس نے مجھے کس طرح سے خلق کیا۔ پھر میں نے محسوس کیا کہ لازم ہے کہ میں ضمیر کی ہدایات کی فرمانبرداری کروں اور خدا سے دعا کروں کیونکہ وہ باپ ہے۔ میں نے یہہ بھی دیکھا کہ اگرچہ مسیحیوں میں بہت سی کالی بھیڑیں بھی ہیں تسپر بھی ان کے اندر برادریت کی عالمگیر حِس موجود ہے۔ اور کہ رام موہن رائے۔ چندر سین۔ ویویکانند جیسوں نے مسیح کی الوہیت کو پہچان لیا۔ اور چونکہ وہ الٰہی شخص تھا اس لئے اس نے یہہ معلوم کیا کہ جو کچھ اس نے کہا سب سچ ہے کیونکہ وہ راہ حق اور زندگی ہے اور کہ میں نے اسکو قبول کرکے اطمینان حاصل کر لیا اور خوش ہوں۔ اور دیگروں سے بھی سفارش کرتا ہوں کہ آپ لوگ بھی ایسا ہی کریں۔ (کرسچن پیٹریٹ)

جرمن کی فوج میں آجکل ایک عجیب حکم صادر ہوا ہے کہ کوئی فوجی ملازم ایک آنکھ پر عینک نہ لگائے۔ اگر کسی کی ایک آنکھ بالکل اچھی بھی ہو تاہم اسکو دونوں آنکھوں پر چشمہ لگانا پڑیگا۔

لندن یونیورسٹی کی کنووکیشن کے جلسہ کے لئے مِس ہل ایک لیڈی وائس چانسلر کے عہدہ پر مامور ہوئی ہے انگلستان میں یہہ سب سے پہلا موقعہ ہے کہ ایک عورت کو یہہ عزت بخشی گئی ہے۔

وسط ایشیا میں ایک تحت الارض شہر دریافت ہوا ہو خیال کیا جاتا ہے کہ یہہ شہر سن مسیحی سے پیشتر کا بنا ہوا جیساکہ ان تصاویر۔ کتبوں اور مورتوں وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے جو وہاں پائے جاتے ہیں۔ گمان کیا جاتا ہے کہ سن مسیحی دو صدیوں پیشتر یہہ شہر آباد تھا۔ اس شہر میں لمبے برآمدے۔ گلی کوچے۔ اور چوک پائے جاتے ہیں جنکے گرد گھر اور مکانات بنے ہوتے ہیں جنمیں سے بعض دو یا سہ منزلے ہیں۔ خوبصورت خوشنما کوچوں اور چوکوں اور دیگر نشانات سے ظاہر ہے کہ اس قدیم شہر کے باشندگان تہذیب کے اعلیٰ منزل پر پہنچے ہوئے تھے۔

مہا مہوپدھیا ساتش چندر ودیا بھوشن ایم اے ایم آر اے ایس نے ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کی گذشتہ میٹنگ میں ایک عالمانہ اور دلچسپ مضمون "ہندوستانی منطق تبت میں محفوظ" پڑھا۔ عالم منطق پر ہندوستانی بحث کتابوں کا ذکر کیا گیا جو دہ ہندو [illegible] میں سنسکرت میں تصنیف ہوئی تھیں جنمیں سے اب صرف دو کتابیں [illegible] سنسکرت میں موجود ہیں [illegible]

سنہ ۱۴۰۰ء سے سنہ ۱۴۵۰ء کے درمیان قلمبند ہوئی تھیں گوتم کے قدیم ہندو نیائے کے (جو قبل از مسیح ۵۰۰ برس تصنیف ہوئی تھی) اور گنگیسا کے جدید ہندو نیائے کے درمیان (جو سنہ ۱۲۰۰ء میں تصنیف ہوئی تھی) اور درمیانی کڑیاں ہیں اور ان سے خصوصاً یہ امر مصدق ہوتا ہے کہ منطق کا رواج نہ صرف متھلا اور ندیا ہی میں تھا بلکہ کشمیر اور اودھ اور الہند وغیرہ میں بھی تھا۔

۱۰؍ نومبر کی شام کو بمبئی ٹریوے کی ازسرنو تعمیر کے سلسلے کے متعلق میسرز جے سی وائٹ اینڈ کو لمیٹڈ کے جو بمبئے الیکٹرک سپلائی کمپنی لمیٹڈ کے تعمیر کرنے والے ہیں تین یوروپین ملازم گرفتار ہوئے۔ کہتے ہیں کہ انہوں نے اپنے مالکوں سے اشیاء کی زیادہ قیمتیں اور ان اشیاء کی قیمتیں بھی چارج کرنے کے ذریعہ سے جو مالکوں کو کبھی بھی دی نہیں گئیں تھیں دھوکہ دیکر روپیہ اڑانے کی سازش کی تھی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ بعض ٹھیکیدار جنکا بل ادا کیا گیا تھا موجود نہیں ہیں یا کسی طرح سے تلاش میں نہیں ملے۔ کل رقم جو اڑائی گئی ہے اس کا اندازہ ایک لاکھ روپیہ کا کیا جاتا ہے۔ مجرمان کے نام میسرز ٹیلر، ٹناقس اور پیئرپٹ ہیں۔ ان میں سے دو بمبئی میں گرفتار ہوئے ہیں اور ایک اگت پوری ہیں۔ ملزمان سات دن تک ضمانت میں رہے بعد [illegible] کے پیئرپٹ کی ضمانت منظور نہ کی مگر باقی دو ملزمان کی ضمانت منظور ہو گئی ہے۔

افسوس ہے کہ طہران کی نوعیتہ پارلیمنٹ اور اہل دربار کے درمیان سخت ناچاقی ہو رہی ہے۔ کئے آدمی دیکھئے پیر شدی کا سلسلہ ہے۔

اب تک خیال کیا جاتا تھا کہ چاند بالکل مردہ ہے اور اسمیں نہ تو ہوا ہے اور نہ پانی ہے۔ مگر اس زمانہ میں ہیئت دان لوگ یقین کرتے ہیں کہ اس میں طبعی انقلاب کا سلسلہ ابھی تک جاری ہے۔ چنانچہ گذشتہ فروری میں جو پورا چاند گرہن ہوا تھا اس وقت دو علیحدہ علیحدہ ماہران علم نجوم نے دریافت کر لیا ہے کہ عین اس وقت کے بعد ہی جبکہ چاند زمین کے سایہ کے نیچے سے گذر رہا تھا تو اس کے دہانہ لنئی نام کا قطر کے بڑھنے کے آثار معلوم کئے۔ علاوہ اس کے پروفیسر پکیرنگ بتاتے ہیں کہ یہ واقعہ اسقدر زیادہ مشاہدہ میں ہے تصدیق پا چکا ہے کہ اس میں شک کی مطلق گنجائش نہیں رہتی۔ یہ لابدی امر ہے کہ آفتاب اور مہتاب کے درمیان زمین کے حائل ہونے سے چاند کی سطح کی حرارت بہت ہی کم ہو جاتی ہے۔ اور چاند کے مذکورہ بالا دہانہ کے بڑھ جانیکا بڑا سبب یہ ہے کہ اس کے قرب و جوار میں کہر بکثرت جمع رہتا ہے۔ جس سے کسی نہ کسی قسم کی نمی اُن پر بالضرور دیتی ہے۔

مراسلات

جناب من مضمون مندرجہ ذیل درج اخبار کر کے مشکور فرماوین

قادیان خطرئے ایمان سے بچنیکے لئے ایک سچا نشان

۶؍ دسمبر سنہ ۱۹۰۶ء کا الہام۔ مرزا جھوٹا مسیح تیرے مقابلہ میں نزع یگا اور وہ خلق اللہ کے گمراہ کرنے کو سفر کریگا اور اگر کریگا ذلیل ہوگا اور دی ہے اسکو بیماری عذاب کی اور کر دیا ہے ساتھ اس کے پہاڑ روٹیوں کا اور نہر پانی کی اور ہمراہ اُس کے بہشت اور دوزخ ہے پس جسکو وہ بہشت کہتا ہے وہ دوزخ ہے اور جسکو وہ دوزخ کہتا ہے وہ بہشت ہے اور ہیں خادمیں اُس کے ٹوٹا پانے والے آخرت میں اور یہ وہ ہی آخری وقت ہے امتحان کا۔ ۸؍ دسمبر سنہ ۱۹۰۶ء کا الہام کیا نہیں دیکھا تو نے جھوٹے مسیح کو کہ جس نے اول دعوے کیا نبوت کا اور پھر ہو گیا شریک میرا اور بے ادبی کی میری رسولوں اور صادقوں کی اور میں نے پورا کر دیا اُس کے کمالات کو واسطے آزمانے اپنے بندوں کی اور بے شک ہم لا دینگے اس پر زوال ملک ٹوٹے فخر اُس کا اور ہے وہ فخر کرنے والوں میں سے ریاکار۔

لہذا مرزا صاحب کی خدمت میں التماس ہے کہ اگر وہ سچا نبی اور مسیح موعود ہے تو میری ان الہاموں کو غلط ثابت کر کے مشتہر کرے نہیں تو ان الہاموں کے سچے ہونیکی تفصیل ایک رسالہ میں بیان کی جاویگی اگر مرزا صاحب نے خاموشی اختیار کی اور ان الہاموں کا جواب شائع نہ کیا تو وہ جھوٹے مسیح اظہر من الشمس ہونگے۔ اور علاوہ اس کے میں ایک نشان مرزا صاحب کے کاذب ہونے کا بطور کرامات کے دکھلا سکتا ہوں ورنہ مرزا صاحب بطور معجزہ کے کوئی نشان دکھلانے کا تحریری وعدہ کریں اور ایک تاریخ کہ جس میں دو ماہ کی مہلت ہو مقرر فرماویں آئندہ انکو اختیار ہے۔

الراقم

قاضی عبدالعزیز ملہم و مرید قادیانی از قصبہ تھانیسر ضلع کرنال

سلطنت داہومی میں ایک چھوٹا سا قصبہ بنام ودا ہے جہاں سانپوں کے لئے ایک مندر بنا ہوا ہے جسمیں ایک ہزار سانپ ہو رہ پرندوں اور مینڈکوں پر پرورش پاتے رہتے ہیں۔



آرین عقاید کی تردید دیانندی قلم سے نمبر ۴

(وید) سوامی دیانند جی ستیارتھ پرکاش میں لکھتے ہیں کہ جس وقت انسان پیدا ہوئے اسیوقت ان کو وید کا گیان بھی حاصل ہو گیا مطلق دیر نہ ہوئی چنانچہ آریہ مسافر ماہ جنوری سنہ ۱۹۰۱ء کے صفحہ ۲۶ و ۲۷ میں لکھا ہے کہ ہم آریہ لوگوں کا یہہ عقیدہ ہے اور ہم مانتے ہیں کہ اگنی وایو ادتیہ انگرہ یہہ لوگ اور رشی آدمی سرشٹی کے موقعہ پر عین عالم شباب میں بغیر ماں باپ کے پیدا ہوئے اور ایک منٹ بھی گمراہ نہ ہوئے بلکہ پیدا ہوتے ہی انہوں نے جہاں مادی آنکھوں کے لئے سورج کی روشنی پائی وہاں روحانی آنکھوں کے لئے ایشوری علم کی تحریک دل میں حاصل کی یعنی ملہم ہوئے۔

یہہ بھی آرین عقیدہ وید کے الہام کی متعلق جو سوامی جی نے مقرر کیا جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ عین پیدا ہوتے ہی رشیوں نے جہاں اپنی آنکھوں سے سورج کی روشنی کو پایا اسی وقت عین اسی وقت وید کی روشنی بھی ساتھ ہی موجود پائی چونکہ یہہ عبارت سوامی جی کی بالکل صاف ہے کسی شرح یا حاشیہ کی محتاج نہیں ہر ایک اہل علم اس صاف عبارت کا مطلب بخوبی سمجھ سکتا ہے لیکن اس کے برخلاف اوپدیش منجری صفحہ ۷۰ پر سوامی جی یوں رقمطراز ہیں کہ جیسے چھوٹے چھوٹے بچوں کو اب بھی پیدا ہو کر کچھ عرصہ جینے کے باوجود اسی طرح مر جانے پر کسی طرح کی سزا نہیں ملتی اوسی طرح آدمی سرشٹی میں ان کے لئے کوئی امر و نہی نہ تھا ابتک کوئی قانون تھا آنکھوں سے روپ دیکھنا اور کانوں سے شبد سننا پاؤں سے چلنا وغیرہ بس اس سے زیادہ کام آدمی سرشٹی میں نہیں تھے ایسی آدمی سرشٹی کچھ عرصہ تک رہی پھر پرمیشور نے منشوں کو وید کا گیان دیا یجروید ادھیائے ۳۰ منتر ۵

اس کا مطلب بھی بالکل صاف ہے سوامی جی نے اس عبارت کو تحریر کر کے جو کچھ آریہ عقیدہ کو مجروح کر دیا وہ اہل نظر سے پوشیدہ نہیں کیونکہ کہاں یہہ کہ ایک منٹ کی دیر بھی پیدا ہونیکے بعد الہام ملنے میں نہ ہوئی اور کہاں یہہ تحریر کہ بہت مدت بعد وید کا گیان حاصل ہوا چونکہ یہہ تحریر سوامی جی کی پہلے عقیدہ کے بالکل مخالف پڑی ہوئی ہے اس لئے ایک متلاشی حق کو سخت تعجب معلوم ہوتا ہے کہ ایک کتاب جسکی نسبت یہہ دعوے کیا جاتا ہے کہ وہ ست دیا کی پستک تمام علوم وفنون ومعارف الہیہ کا خزانہ خدا نے اپنے بندوں کو دیا اس کے الہامی ثبوت میں اتنا اختلاف اور پھر ایک ایسے شخص کی تحریر میں جو ان کو تمام دنیا کے سامنے پیش کر رہا ہے اور جسکی وکالت میں دوسرے تمام مذاہب کو غلط ثابت کرنے کا خیال باندھ رہا ہے

یہہ عبارت جو کہ آرین عقیدہ کی تردید میں سوامی جی نے پیش کی ہے میرے پیارے ناظرین آپ یہہ نہ سمجھ لیں کہ یہہ اختلاف اسی پر بس ہو چکا ہے بلکہ ہم ثابت کرتے ہیں کہ سوامی جی کو یہہ مرض ہو چکا ہے کہ بلا سوچے تحریر کرتے جانا اور اگر کسی نے اسپر کوئی اعتراض کیا تو جھٹ دوسرا پہلو بدل گیا۔ ناظرین جب اس پر اعتراض کیا گیا کہ اگر بچپن کی حالت میں ابتدائی سرشٹی ہوتی تو انکا محافظ کون ہوا کیونکہ ان کے انوکھے قانون فطرۃ نے ایسا اعتراض کرنے پر مجبور کیا تو جھٹ یہہ پہلو بدلکر اُس معترض کو بھی اپنا بنانے کے لئے یوں رقم کر دیا دیکھو ستیارتھ پرکاش صفحہ ۲۹۲ کہ ابتدائے دنیا میں انسان کی پیدائش جوانی کی عمر میں ہوئی کیونکہ اگر بچے پیدا کرتا تو انکی پرورش کے لئے دوسرے انسان درکار ہوتے اور اگر بوڑھے بناتا تو نسل سرشٹی نہ ہوتی اس لئے جوانی کی عمر میں پیدائش کی

ناظرین اس عجیب وغریب دماغ والے انسان کی چالاکی کو دیکھئے کہ کس طرح پھیر پھار کر ...... کرتا ہے واقعی اسکی وہی حالت ہے کہ پیش طبیب فلان و پیش فلان طبیب مگر اس وقت کہ اسکی تحریر کا ہر ایک پہلو سے اندازہ کیا گیا ہے تو آپ پیش ہر دو ہیچ ثابت ہو رہا ہے۔ صاحبان دیکھئے اس نے کس طرح اس معترض کو بھی اپنا بنا لیا آریہ صاحبان آپ کس نیند سو رہے ہو کیا آپ کو ان موٹے موٹے واقعات پر بھی غور کرنے کا موقعہ نہیں اگر واقعی آپکے دوسرے جھگڑے اس تحقیق حق سے مانع ہیں تو یاد رکھو کہ آپ ہر ایک دانشمند کی نظروں سے گر جاؤ گے۔ اٹھو اٹھو اب وقت ہے ہوش کرو ویدوں کا کال سر پر آ گیا اسکی الہامیت کی ساری بنیادیں ہلا دی گئیں اب یہہ جعلی عمارت جسپر فرش اپیل گیہوں کا پلستر کیا گیا تھا وہ تمام ادھڑ گیا اور وہ عمارت گر رہی ہے اگر تم میں کچھ ہمت اور طاقت ہے تو سامنے آؤ مرد میدان بن جاؤ وید کا سارا کارخانہ کان لم یکن شیئا ہو چکا ہے اگر تم اسکی کچھ مدد نہیں کر سکتے اور یقینا نہیں کر سکو گے تو آؤ حق کیطرف منہ موڑو زندہ خدا پر ایمان لا کر زندہ خدا کے الہام پر یقین کرو اور ابدالآباد کی نجات حاصل کرو (باقی آیندہ)

(بقیہ صفحہ ۲)

آگئے۔ مگر یاد نہیں کہ غروب آفتاب سے پہلے یا بعد کو اس شام کو مسٹر ڈونل کی جھونپڑی پر کوئی پولیس کا آدمی بلایا نہیں گیا تھا۔ اس وقت کسی قسم کی تحقیقات نہیں ہوئی تھی۔ وہ دو آدمی یعنی ڈپٹی انسپکٹر یا شاید تحصیلدار دوسرے یا تیسرے دن بلائے گئے تھے۔ انہوں نے پوچھا کہ میں (گواہ) اور مسٹر سپیر نے اس سے پہلے روز کیا کیا تھا اور کہاں تھے۔ میں نے کسی آدمی کے گولی سے مارے جانے کا کوئی سوال نہیں سنا تھا۔ میں

سنا تھا کہ ایک آدمی نہیں ملتا۔ اور کہ بعد ازاں شدہ شخص گھوڑے پر سے گر کر فوت ہو گیا ہے۔ مجھے یاد نہیں کہ جو آدمی میرے پاس آیا تھا اس نے اس گم شدہ آدمی کے بارے میں کوئی تفتیش کی تھی اور کہ انہوں نے میرا بیان لیا یا نہیں۔ دو سال کے بعد میں نے پہلی ہی مرتبہ اس قسم کا شک سنا تھا کہ مسٹر سپنسر نے ایک شخص کو گولی سے مار دیا ہے۔ خود مسٹر سپنسر نے مجھ سے وزیرآباد یا لاہور میں اس بات کا ذکر کیا۔ مجھے خیال نہیں کہ میں نے یہ معاملہ کسی اور جگہ سے سنا۔ اس امر میں کسی آفیسر نے مجھ سے کوئی تحقیقات نہیں کی

مسٹر دوارکاداس نے جرح کی۔ اس نے مسٹر سپنسر کو شکار سے پہلے پانچ برس کے عرصہ میں دیکھا ہوگا۔ اس نے کہا میں نے مسٹر سپنسر کو وزیرآباد میں دیکھا مگر اب نہیں کہہ سکتا کہ اس شکار کے موقعہ سے پہلے یا بعد میں۔ اس اثنا میں ہم دوست تھے۔ اگر ہم مدرسہ کو چھوڑنے کے بعد آپس میں نہیں ملے تو وجہ صرف اسکی یہی ہو کہ ہم ایک ہی مقام پر نہ تھے میں اکثر جنگل میں شکار کیا کرتا تھا۔ بعض اوقات تنہا۔ اور بعض اوقات کوئی نہ کوئی میرے ساتھ ہوتا تھا مجھے سپیڈنگ اینڈ کو کے کسی مسٹر لینڈسی کی بابت بھی یاد ہے کہ وہ ایک دفعہ میرے ساتھ گیا تھا۔ میں نے وہاں پر ایک یا دو سؤر مارے تھے۔ میں اکثر اوقات ایک ڈاکٹر کپتان جیمیں کے ساتھ بھی تھا۔ سول اینڈ ملٹری میں میں نے ان باتوں کی بابت پڑھا تھا۔ جو پرچہ میں نے دیکھا تھا وہ مسٹر فینڈل کا تھا۔ میں نے دیگر اخبارات میں بھی اس مقدمہ کی بابت پڑھنے کی کوشش کی مگر ناکامیاب رہا۔ مسٹر ہٹ مین کا خط جس میں اس نے مجھے بطور گواہ کے بلایا تھا اس میں اس الزام کا مضمون درج تھا۔ اور اسی سے میں نے مسٹر اٹکنسن کو وزیرآباد اس امر کی واقفیت کے لئے لکھا تھا کہ اس وقت ڈیپو میں کون کون آدمی ہیں جو وقوعہ ۱۹۰۱ میں بھی وہاں تھے۔ میں نے مسٹر سپنسر کے خلاف عرضی کی بابت دریافت نہیں کیا تھا۔ مجھے اس میں بہت دلچسپی نہ تھی۔ مجھے اس کا کچھ بھی خیال نہیں تھا کہ شکار کے بعد کی صبح کو وہ دو آدمی میرے پاس کیوں آئے تھے۔ میں نے صرف اُن کے سوال کا جواب ہی دیا تھا اور بس۔ شکار کے دو تین دن بعد میں نے گھوڑے کے واقعہ کا ذکر سنا۔ مگر مجھے معلوم نہیں کہ کس سے سنا۔ میں نے یہ بھی دریافت نہیں کیا کہ وہ کون شخص تھا جو مارا گیا۔ میں نے بعد میں سنا کہ یہ وہ شخص تھا جو مسٹر سپنسر کا گھوڑا لے گیا تھا مگر معلوم نہیں کہ کتنی دیر بعد سنا تھا۔ شاید ۲ مہینوں کے اندر لیکن معلوم نہیں کہ کس نے مجھ سے کہا تھا۔

مسٹر ہٹ مین نے جرح کی۔ کہ وہ گذشتہ اکتوبر سے بعد روا واقعہ کشمیر میں تھا۔ مجھے یاد آیا کہ میں اور کپتان جیمیں اکثر پیدل شکار کیا کرتے تھے۔

مسٹر سپنسر پھر بلائے گئے

مسٹر سپنسر جواب ملتان کے ڈی ایس پی ہیں اور ۱۸۹۹ء میں گوجرانوالہ کے ڈی ایس پی تھے پھر اُن کی طلبی ہوئی اور مسٹر لاجپت رائے کی جرح پر انہوں نے کہا۔ میں نے ایک حد تک اس مقدمہ میں پیروی کی میں وہ ٹھیک وقت نہیں بتا سکتا جبکہ میں شکار کے لئے گیا تھا۔ میں اس سے ایک دن پیشتر وزیرآباد میں تھا مگر نہیں کہہ سکتا کہ میں نے اس موقعہ پر تھانہ کا معائنہ کیا یا نہیں۔ مجھے یقین نہیں کہ ان دونوں پر میں وزیرآباد میں کسی تحقیقات میں مشغول تھا یا نہیں مجھے خیال ہے کہ میں کسی کام کے لئے وزیرآباد سے گذر رہا تھا مگر یاد نہیں کہ وہ کیا کام تھا۔ میرے ساتھ ایک [illegible] نانک چند ہیڈ کانسٹیبل تھا۔ مجھے یاد نہیں کہ کوئی اردلی بھی میرے ساتھ تھا۔ مگر نوکر چاکر تھے۔ میرے ساتھ خیمہ وغیرہ نہ تھا۔ میں مسٹر ڈونل سے اس کے لڑکپن ہی سے واقف ہوں مگر ہماری خط و کتابت نہ تھی۔ بہت برس گذرے کہ گواہ کا باپ ہوشیارپور میں تھا۔ مسٹر ڈونل کا والد بھی ان ایام میں وہاں تھا میں نے مسٹر ڈونل کو وزیرآباد میں دیکھا مگر بسا اوقات نہیں۔ مجھے خیال نہیں کہ موقع متنازعہ سے پہلے میں نے کبھی مسٹر ڈونل کے ساتھ شکار کھیلا۔ ممکن ہے کہ میں نے اس واقعہ کے بعد مسٹر ڈونل کو لاہور میں ایام کرسمس میں دیکھا ہو۔ مگر پختہ معلوم نہیں۔ مگر اس سے پہلے کبھی اس سے نہیں ملا۔ میں نے اس رپورٹ کا ذکر مسٹر ڈونل سے کبھی نہیں کیا جو میں نے (گواہ نے) ڈی آئی جی کی درخواست پر کی تھی۔ ایک حوالہ دو دفعہ دیا گیا تھا۔ مگر مجھے خیال ہے کہ پہلی دفعہ درخواست کنندہ کا نام درج نہ تھا۔ متفرق گوشوں کے ماتحت دو تحقیقاتیں کی گئیں تھیں۔ مجھے خیال ہے کہ دوسری درخواست میں یہ ذکر تھا کہ پولیس کانسٹیبل رفعت علی کی بیوہ نے پنشن کی درخواست کی تھی۔ مگر خیال نہیں کہ کس بنیاد پر اس نے یہ درخواست کی تھی۔

جج نے بتایا کہ چونکہ مسٹر سپنسر کی رپوٹیں تمام لکھی ہوئی ہیں اور بہم پہنچ سکتی ہیں اس لئے تضیع اوقات ہوگا اگر کونسل انکی بابت سوالات کرنے سے پیشتر ان کو مطالعہ کرے ؎

جرح جاری رہی۔ مسٹر سپنسر نے خیال کیا کہ متوفی کی بیوہ نے مجھ پر رفعت علی کے گولی سے مارے جانے کا کبھی الزام نہیں لگایا۔ میں خیال نہیں کرتا کہ میں نے کبھی کوئی خلاف درخواست دیکھی ہو۔ میں ان درخواستوں کی بابت صرف ڈی آئی جی یا ڈی سی کے بتلانے ہی سے جانتا ہوں۔ مجھے خیال گذرتا ہے کہ رفعت علی کی لاش پاتے جانیکی خبریں میرے پاس وزیرآباد سے گوجرانوالہ میں پہنچیں جسکے درمیان فاصلہ ۲۱-۲۲ میل کا اور ریلوے کے ذریعہ ایک گھنٹے کا سفر ہے۔ یہ خبر ڈاک کے ذریعہ سے وصول ہوئیں تھیں۔ تار یا خاص قاصد کی

کوئی وجہ نہ تھی۔ میں سنہ ۱۸۹۳ء سے پولیس میں تھا۔ میرا یقین ہے کہ دستور تھا کہ کسی کی وفات کی رپورٹ پولیس تحقیقات کی تکمیل کے بعد ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کی خدمت میں روانہ کیجاتی تھی نہ کہ اس سے پہلے۔ مجھے خیال ہے کہ یہی دستور اس مقدمہ میں بھی عمل میں آیا تھا اور پولیس کے قانون کے مطابق کارروائی کی گئی تھی۔ مجھے معلوم نہیں کہ آیا بموجب ضابطہ پولیس دفعہ ۱۷۷ اس پولیس افسر نے جسکو وفات کی خبر سب سے پہلے ملی تھی نزدیک کے مجسٹریٹ کو خبر دی تھی یا نہیں۔ اس سوال کے جواب میں کہ آیا بموجب دفعہ ۱۷۴ لاش کو موقعہ پر سے اٹھانے سے پیشتر اسسٹنٹ سرجن کو موقعہ واردات پر طلب کرنا پولیس افسر کا فرض ہے یا نہیں گواہ نے کہا کہ اس موقعہ پر اس عمل کی کوئی ضرورت نہ تھی کیونکہ صاف ظاہر تھا کہ یہہ وفات اتفاقاً واقع ہوئی تھی۔ مجھے معلوم نہیں کہ بموجب دفعہ ۱۷۴ فقرات ۴ و ۵ پیر کے نشانات ڈھالنے گئے تھے۔ یا نہیں اور اس جگہ کا درست حلیہ کھینچا گیا تھا یا نہیں۔ یہہ فرض پولیس آفیسر کا ہوگا۔ فقرہ نمبر ۸ کے مطابق اس کا فرض ہے کہ کپڑوں وغیرہ کی حالت کو بھی بخوبی دیکھے اور انکا درج کرے۔ اسسٹنٹ سرجن کو اختیار ہے کہ پوسٹ مارٹم کرے۔ مجھے یاد نہیں کہ میں نے سب انسپکٹر کی توجہ ان باتوں کی طرف دلائی تھی یا نہیں میں نے رام نرائن سے دریافت نہیں کیا کہ اُس نے تحقیقات کیوں نہیں کی۔ جہاں تک مجھے معلوم ہے ایک تحصیلدار نے تحقیقات کی تھی۔ مگر پختہ خبر نہیں ہے حسب موقع ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کی عدالت میں یہہ تحقیقات درج ہو چکی تھی جہانتک مجھے یاد ہے ۹ سے ۱۲ دسمبر تک کے درمیانی عرصہ میں وزیرآباد کو واپس نہیں گیا۔ یہہ حادثہ ۶ مارچ کو وقوع میں آیا اور لاش ۹ کو پائی گئی۔ میرے پاس سفر روزنامچہ نہیں ہے کیونکہ دو سال کے بعد وہ تلف کر دیا جاتا ہے ٹریولنگ الاؤنس بل سے میری کوچ کا پتہ لگ سکتا ہے۔ مگر اس کے علاوہ میرے پاس میرے کوچ و مقام کا کوئی کاغذ موجود نہیں ہے۔

یہاں مسٹر ٹمن نے کہا کہ اکاؤنٹنٹ جنرل کے دفتر سے میرے پاس ایک خبر آئی ہے کہ ٹریولنگ الاؤنس بل تلف کر دیئے گئے ہیں۔

گواہ نے کہا کہ رام نرائن کا گھوڑا داخل رجسٹر کیا گیا تھا۔ لیکن اگر معلوم ہو جاتا کہ گھوڑا بدمعاش ہے تو ایسا گھوڑا کبھی درج رجسٹر نہیں کیا جاتا ہے۔ میں اس سے پہلے تنہا بھی میں قبل ازیں مسٹر ڈونل کے ساتھ بارہ کا شکار کھیل چکا تھا

ضروری اطلاع

ایڈیٹر صاحبان و نامہ نگاران و خریداران و عوام کی خدمت میں التماس ہے کہ حسب تجویز لودیانہ مشن اردو اخبار نور افشان کے ایڈیٹر و مینیجر بجائے پادری آر ڈی ٹریسی صاحب ایم۔ اے کے پادری ایچ گولکھ ناتھ صاحب بی اے مقرر ہوئے ہیں اور یکم جنوری سنہ ۱۹۰۷ء سے اس تجویز پر عملدرآمد شروع ہوگا۔ لہذا بذریعہ اعلان ہذا اطلاع دیجاتی ہے کہ جملہ اخبارات تبادلہ (خواہ انگریزی خواہ اردو) و مضامین و اشتہارات برائے اندراج اردو نور افشان و درخواست خریداری و ترسیل زر اردو اور انگریزی ہر دو نور افشان تاریخ مذکور سے پادری ایچ گولکھ ناتھ صاحب ساکن پھلور کے نام ہوا کرے۔ پادری ٹریسی صاحب کے نام صرف انگریزی نور افشان کے متعلق مضامین روانہ ہونے چاہئیں۔ اسسٹنٹ ایڈیٹر جس کا قبل ازیں کام اردو اخبار کا ایڈٹ کرنا تھا وہ اب محض پادری ایچ گولکھ ناتھ صاحب کا ایک مددگار ہوگا اس لئے وہ یکم جنوری سے اپنے منصبی فرض سے سبکدوش اور بری الذمہ ہو جائے گا ✤

(ایڈیٹر)

صرف یہی دوسرا موقعہ ہے کہ میں شکار پر تھا۔

مسٹر دوار کا داس نے پھر جرح کی جس کے تین سوالوں میں سے دو کا جواب ابھی دیا جا چکا ہے۔ گواہ نے خیال کیا کہ یہہ افواہ کہ میں نے رفعت علی کو گولی سے مار ڈالا ہے پولیس ڈیپارٹمنٹ کے ایک سب آرڈینیٹ سے مشتہر ہوئی تھی جسکو سزا دینے کا مجھے موقعہ ملا تھا۔ مجھے خیال نہیں ہے کہ میں نے کبھی رفعت علی کے بھائی کو بلایا ہو۔

طبی شہادت

لچھمن داس ریٹائرڈ اسسٹنٹ سرجن نے جو ۱۸۹۹ء میں وزیر آباد میں اسسٹنٹ سرجن تھے۔ کہا کہ لاش ۱۰ تاریخ کی شام کو یا ۱۱ تاریخ کی صبح کو ہسپتال میں لائی گئی تھی میں نے کہیں بھی وقت کا لحاظ نہیں رکھا۔ لاش چارپائی پر لائی گئی تھی میں نے اسوقت لاش کو شاید دیکھا تو تھا مگر اس کا امتحان نہیں کیا تھا۔ مجھے معلوم نہیں کہ لاش اسوقت ڈھکی ہوئی تھی یا نہیں۔ جب لاش کا امتحان کیا گیا تھا تو اس وقت صرف ایک جوڑہ اور موزے اور کرتا اس کے بدن پر تھا۔ جیسا کہ اندراج رجسٹر سے معلوم ہوتا ہے۔ مگر مجھے معلوم نہیں کہ جب وہ ہسپتال میں لائی گئی تو اسپر کیا کچھ کپڑا تھا۔ وقت امتحان تک لاش پولیس کے زیر حراست تھی۔

مسٹر لاجپت رائے نے سوال کیا خیال گذر سکتا ہے کہ لاش کے ہسپتال میں لائے جانے اس کے امتحان کئے جانے کے عرصہ میں کوئی کپڑا اس کے اوپر سے اتارا گیا۔ گواہ نے خیال کیا کہ اغلباً نہیں۔ تحصیلدار نے لاش کو دیکھا ہوگا۔ مجھے معلوم نہیں کہ لاش کے جوتی یا پگڑی بھی پہنی ہوئی تھی یا کہ نہیں۔ اگر کپڑوں وغیرہ کی بابت کوئی خاص بات ہوتی تو میں اس کا نوٹس لیتا۔ گواہ نے یہہ بھی کہا کہ سرجنوں کا یہہ قاعدہ ہے کہ اگر لاش یا کپڑوں میں کوئی غیر معمولی حالت ہوتی تو وہ اس کا نوٹ کر لیا کرتے ہیں۔ اس سوال کے جواب میں (جسکو جج نے مطلقاً غیر ضروری خیال کیا) کہ کیا گولی سوار کی پگڑی میں سے بغیر اس کے سر کو ضرر پہنچانے کے نکل جا سکتی ہے گواہ نے جواب دیا کہ یہہ سوال گولی کی سمت کی بابت ہے۔ ریکارڈ بک کی طرف اشارہ کر کے گواہ نے کہا کہ جو رگڑ رفعت علی کے سر کے پیچھے لگی ہوئی ہے۔ وہ بندوق کے کندے کی ضرب کے مشابہ ہے۔ منہ کا ملاحظہ کیا گیا۔ مگر کانوں کے ملاحظہ کئے جانے پر کوئی نوٹ نہ تھا۔ اس قبیل کا ایک نوٹ درج تھا کہ ناک سے خون بہا ہے۔ دماغ کی زیریں سطح کے ہر دو پہلو میں شگاف پڑ جانے سے غالباً یہہ موت واقعہ ہوئی ہے پیشانی پر جو شگاف پڑ گیا ہے وہ سر کے پیچھے کی ضرب کی وجہ سے ہوا ہے۔ خون کا جاری ہونا گر پڑنے سے اور ایک حد تک شگاف آنے سے وقوع میں آیا ہے۔ ممکن ہے کہ کسی ضرب سے خون بہا ہو مگر اس صورت میں کسی خون کی رگ میں کے پھٹ جانے سے خون نہیں بہا۔

مسٹر بودھراج ساہنی کی جرح پر گواہ نے کہا ممکن ہے کہ موت گھوڑے پر سے گر پڑنے کے چند منٹ بعد سے چند گھنٹوں تک کے عرصے کے اندر واقع ہوئی ہو اسطرح سے ضرر رسید شخص کا موت سے پہلے ہوش میں ہونا بعید از قیاس ہے۔ میں نے کھوپڑی میں سے مغز نکال لیا مگر ہڈی کو توڑنے کی بابت کوئی نوٹ نہیں کیا۔ البتہ مغز میں جنبش پیدا ہوئی تھی۔ ذہنی تھیلی پھٹی ہوئی نہ تھی اس کا کوئی نوٹ نہ تھا۔ ناک میں کوئی بیرونی ظاہرا ضرر نہ تھا۔ ناک سے جو خون جاری تھا وہ نکسیر پھوٹ جانے کے سبب سے تھا علاوہ سوالات کے جواب میں گواہ نے کہا جو رگڑیں موت کے بعد میں لگی تھیں ان کے سبب سے موت کے بعد ورم ہو گیا تھا۔ کیونکہ خون موت کے چار گھنٹے بعد تک سیال حالت میں رہا۔ اگر گولی کا نشان ہوتا تو وہ دیگر زخموں سے ضرور متفرق ہوتا۔ لیکن تاوقتیکہ گولی زخم میں موجود نہو اس کا کوئی پورا علم نہیں ہو سکتا۔ میں نے گولی کے بہت سے زخموں کا پوسٹ مارٹم کیا ہے معلوم نہیں کتنے۔ مگر اتنا معلوم ہے کہ ۱۹۰۱ء اور ۱۹۰۲ء میں کئی ایک ایسے پوسٹ مارٹم نبوں میں کئے تھے۔ لاش کی ہڈیوں میں کوئی ضرب نہ تھی۔ اور نہ ہی جسم پر کسی رگڑ کا نوٹ تھا۔ بندوق سے مارے جانے کا کوئی شبہ نہ تھا۔ بالفرض تمام خراشیں بندوق لگی ہوئی نہ تھیں۔ معدہ کی شمولات تندرست تھیں زہر یا مرض کا کوئی نشان نہ تھا۔ جب نوٹ لئے گئے تھے تو دستور تھا کہ انکو ریکارڈ بک میں درج کر لیا کرتے ہیں۔ مگر کتاب کی خاص طور پر حفاظت نہیں کی جاتی یہہ کوئی عام قاعدہ نہیں ہے کہ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ سول سرجن کو بھیجی جائے مگر ضلع گوجرانوالہ میں یہہ دستور ہے۔ کپتان ڈیوس وہاں ۱۸۹۹ء میں سول سرجن تھا۔ مجھے معلوم نہیں کہ اس سال کی دسمبر ۸۔۹۔۱۰ یا گیارہ کو سول سرجن وزیر آباد میں تھا۔ سول سرجن نے مجھے ایک دفعہ پوسٹ مارٹم کرتے دیکھا تھا۔

ایک سوال کے جواب میں گواہ نے کہا کہ عین زنانہ وارڈ کے مغرب کیطرف کھلے دروازوں پوسٹ مارٹم کیا گیا تھا۔ ایک مہتر اور میں وہاں تھا۔ پولیس افسر جس کے چارج میں لاش تھی اور جنہوں نے اسکو بھیجا تھا وہ سب کمرہ کے باہر تھے مجھے یاد نہیں کہ کوئی اور شخص بھی موجود تھا یا نہیں ٭

جب مسٹر چٹ مین نے پھر جرح کی تو گواہ نے کہا اگر لاش کے بدن پر کوئی ویسکوٹ یا کوئی اور پوشاک ہوتی تو ضرور نہ تھی کہ انکا بیان کیا جاتا مگر اسوقت جبکہ انکی بابت کوئی خاص بات قابل نوٹ ہوتی جس ضرب پر نمبر ۱۲ ہے وہ موت کے ۲ یا تین گھنٹے بعد بھی لگایا جا سکتا تھا حلقوم وغیرہ کا امتحان نہیں کیا گیا۔ کیونکہ انپر کسی قسم کا زخم یا نشان نہ تھا جس سے کوئی شک گذر سکتا۔

گولی کے زخم اور کسی ہتھیار کے زخم کے درمیان تمیز ہو سکتی ہے۔ ہتھیار سے زخم لگنے کی حالت میں خون کا جاری ہونا لازمی ہے ٭

تاریخ پیشی ۱۷ دسمبر ہوئی ٭

پادری آر ذی۔ عزیزی صاحب ایم اے ایڈیٹر و منیجر نور افشاں کیواسطے مشن سٹیم پریس لودیانہ میں باہتمام دائمی برادرس کے چھپا ٭